40

اپنے اندر ایمان اور جوش پیدا کرو

(فرمودہ یکم نومبر 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر مامور دنیا میں آتے ہیں اُن کی آمد کی بڑی غرض یہی ہوا کرتی ہے کہ وہ لوگوں کو پراگندگی اور اختلاف کے مرض سے بچاتے ہوئے پھر خدائے واحد کے دروازہ پر لا کھڑا کریں اور یہی غرض ان کی جماعتوں کی ہوا کرتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انفرادی طور پر انسان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ لیکن یہ امر کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے علاوہ دنیا کے دوسرے لوگوں کو بھی زیادہ سے زیادہ ہدایت کی طرف لائے اور ان کو دینِ واحد پر جمع کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متواتر الہاموں اور کشوف اور رؤیا میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا اور آپ کی جماعت کا یہ فرض ہے کہ بنی نوع انسان کو دینِ واحد پر جمع کریں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینِ واحد پر جمع کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ جن لوگوں کو ہم نے دینِ واحد پر جمع کرنا ہے وہ اپنے آپ کو ہر رنگ میں ہم سے اعلیٰ اور بلند شان رکھنے والا سمجھتے ہیں اور جہاں تک دنیوی نگاہ کام کرتی ہے وہ ہم سے واقع میں بلند شان رکھتے ہیں۔ یعنی حکومتیں ان کے پاس ہیں، جماعتیں اُن کے پاس ہیں، روپیہ ان کے پاس ہے، زمینیں ان کے پاس ہیں، پیشے ان کے پاس ہیں، صنعت و حرفت اُن کے پاس ہے، تعلیم اُن کے پاس ہے، اقتصاد کی کنجی ان کے پاس ہے۔ غرض کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو دنیا میں کسی کو بڑائی دینے کا موجب ہوتی ہو اور

ہمارے پاس ہو۔ ایسی صورت میں وہ لوگ آسانی کے ساتھ دینِ واحد پر جمع نہیں ہو سکتے۔ جب تک ہماری جماعت دیوانہ وار یہ کام نہ کرے اور اپنے تمام دوسرے کاموں پر اس کو مقدم نہ کر لے اُس وقت تک یہ کام ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم کام کریں یا نہ کریں۔ دلوں کی تبدیلی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور وہ اپنے فضل سے لوگوں کو ہدایت دے سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ کا فضل کھینچنے کے لئے بھی کوئی چیز ہونی چاہئے۔ خدا اپنا فضل اندھا دھند نازل نہیں کرتا۔ جب بھی خدا تعالیٰ کسی قوم کی ترقی کے سامان پیدا کرتا ہے، وہ پہلے اس سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اور جب قوم اس مطالبہ پر اپنی قربانی پیش کر دیتی ہے تب وہ اپنے فضل اس پر بڑھا چڑھا کر نازل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابراہیمؑ کی نسل کو بڑھائے مگر پیشتر اس کے کہ وہ ابراہیمؑ کی نسل کو بڑھائے اس نے تقاضا کیا کہ ابراہیمؑ اپنے ایک ہی بیٹے کو جو اسے بڑھاپے میں ملا تھا، قربان کر دے۔ جب ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوا تب خدا کی طرف سے فیصلہ ہوا کہ ابراہیمؑ کی نسل کو بڑھایا جائے۔ اسی طرح جب خدا نے چاہا کہ ابراہیمؑ کی نسل میں ہمیشہ کے لئے نبوت رکھ دے اور آئندہ جو بھی نبی آئے یا تو وہ براہِ راست ابراہیمؑ کی نسل میں سے ہو یا ابراہیمؑ پر ایمان لانے والا ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے اس انعام کے دینے سے پہلے اس سے تقاضا کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ آئے جہاں کامیاب زندگی کی صورت تو الگ رہی، معمولی زندگی کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں پینے کے لئے پانی اور کھانے کے لئے کھیتی باڑی اور ساتھ رہنے کے لئے کوئی انسان نہیں تھا۔ ایک جنگل اور بیابان تھا جس میں نہ پانی تھا نہ کھانا، نہ مُونس نہ یار و مددگار۔ جب ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے دل پر چُھری پھیرتے ہوئے اس بات کو منظور کر لیا اور ایک ویران اور بے آباد جگہ میں وہ اپنی اولاد کو چھوڑ آیا۔ تب خدا نے فیصلہ کیا کہ اے ابراہیمؑ! جس طرح تُو نے میرے لئے قربانی کی ہے اور اس لئے ایک بے آب و گیاہ جنگل میں اپنی اولاد کو جا بسایا ہے کہ میرا ذکر بلند ہو اور ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو میری خاطر رکوع و سجود کرنے والے ہوں اِس طرح مَیں بھی فیصلہ کرتا ہوں کہ دنیا کی تمام پاکیزگی، دنیا کی تمام اصلاح اور دنیا کی تمام روحانی ترقی

تیرے اور تیری اولاد کے ساتھ وابستہ رہے گی۔ پس جب کبھی خدا کسی قوم پر اپنا فضل نازل کرتا ہے وہ ہمیشہ اس فضل کے نازل کرنے سے پہلے اس سے قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ جب قوم اس مطالبہ پر اپنی قربانی پیش کر دیتی ہے تب اس کی طرف سے فضل نازل ہوتے اور اپنے انتہائی کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔

پس دین کی ترقی اور دلوں کو بدلنا بے شک خدا کے اختیار میں ہے مگر خدا اپنا اختیار تب استعمال کرتا ہے جب اپنے دل اس کے لئے قربان کر دیئے جائیں۔ جب ایک انسان اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کر دیتا ہے تو خدا اس کے لئے نئے دل پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کام ہے جو ہمارے ذمہ ہے مگر ابھی ہماری جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ مَیں متواتر جماعت کو توجہ دلا رہا ہوں کہ اسے اپنے فرائض کا احساس کرتے ہوئے تبلیغ میں پوری سرگرمی سے حصہ لینا چاہیئے اور اب خدا تعالیٰ کی طرف سے جو مجھے تازہ رؤیا و کشوف ہو رہے ہیں ان میں بھی متواتر بتایا جا رہا ہے کہ اس کام کی طرف خود بھی توجہ کرو اور جماعت کو بھی توجہ دلاؤ۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی خبر دی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ کام کیا جائے۔ اور جب وقت آنے پر کوئی کام نہ کیا جائے تو آپ لوگ یہ جانتے ہی ہیں کہ بے وقت تو کوئی کام ہوا ہی نہیں کرتا۔ لوگ گندم بوتے ہیں اور اس کے موسم میں بوتے ہیں۔ کیا کسی نے دیکھا ہے کہ اگست یا جنوری فروری میں گندم کی فصل بوئی جا رہی ہو؟ یا کپاس لوگ مارچ سے جون تک بوتے ہیں۔ مگر کیا کسی نے دیکھا کہ کوئی شخص ستمبر یا جنوری میں کپاس بو رہا ہو؟ وہ اسی لئے نہیں بوتے کہ وہ جانتے ہیں اب گندم یا کپاس بونے کا وقت نہیں۔ اگر ہم بوئیں گے تو ہم اپنے بیج کو ضائع کرنے والے ہوں گے۔ تم اگر گندم کا بیج بیس پچیس سیر کی بجائے تین چار مَن بھی جنوری فروری میں بو دو تو اس سے غلہ پیدا نہیں ہو گا بلکہ پہلا بیج بھی ضائع چلا جائے گا۔ پس بے موقع قربانی کام نہیں آیا کرتی بلکہ وہی قربانی انسان کے کام آتی ہے جو موقع کے مطابق کی جائے۔ جس طرح فصل کے بونے کا موقع ہوتا ہے اسی طرح تبلیغ کے بھی مواقع ہوتے ہیں۔ سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر تبلیغ کا موقع وہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔ اُس وقت خدائی فیصلہ یہ ہوتا ہے

کہ دلوں کو بدل دیا جائے اور ان کو راستی اور ہدایت کی طرف پھیرا جائے اِس لئے اُس وقت ذرا سی کوشش بھی بہت بڑے نتائج پیدا کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس کے بعد مختلف دَور آتے ہیں۔ کبھی ترقی کا دَور آتا ہے اور کبھی اس میں روک واقع ہو جاتی ہے۔ پھر ایک ترقی کا دَور آتا ہے اور پھر اس میں روک پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ترقی کے دَور جو مختلف زمانوں میں آتے ہیں ان میں بھی نسبتی طور پر خدا تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے ہیں اور لوگوں کی کوششیں مفید نتائج پیدا کرنے والی ثابت ہوتی ہیں۔ اِس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کے متعلق بار بار اشارات ہو رہے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ اب تبلیغ کا وقت ہے۔ اگر جماعت توجہ کرے تو وہ پہلے سے بہت زیادہ کامیابی اور ترقی حاصل کر سکتی ہے۔ چنانچہ جہاں بھی جماعتوں نے اس طرف توجہ کی ہے انہوں نے اپنی تبلیغ کے نہایت اعلیٰ درجہ کے نتائج دیکھے ہیں۔ اس سفر میں کئی دوستوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ لوگوں کے اندر خود بخود کیسا انقلاب پیدا ہو رہا ہے۔ پہلے لوگ ہمارے سلسلہ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے مگر اب ان میں بیداری کے آثار نظر آتے ہیں اور وہ خود ہم سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے سلسلہ کی کیا حقیقت ہے؟ گویا وہ ہمارے حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں اس بارہ میں معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ غرض جن جن جماعتوں نے اپنی ذمہ داری سمجھی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے بہت زیادہ ترقی ہو رہی ہے۔ ایک علاقہ کے لوگ مجھ سے دلّی میں ملنے آئے اور انہوں نے شکایت کی کہ ہمارے علاقہ میں بہت کم احمدی ہیں۔ سارے ضلع میں صرف پچیس چھبیس احمدی ہیں۔ انہوں نے مجھے دعا کی تحریک کی اور یہ بھی کہا کہ ہمیں مبلغ بھجوائے جائیں۔ جب وہ جانے لگے تو مَیں نے کہا آپ لوگ خود بھی تبلیغ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ترقی کے سامان پیدا فرما دے گا۔ چنانچہ ابھی ان کی طرف سے چٹھی ملی ہے کہ انہیں تبلیغ شروع کئے صرف پندرہ بیس دن ہی ہوئے ہیں۔ مگر پندرہ بیس دنوں میں ہی یہ نتیجہ نکلا ہے کہ وہ ایک جگہ تبلیغ کے لئے گئے۔ تو ایک وقت میں ستائیس آدمی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت میں داخل ہو گئے حالانکہ پہلے سارے ضلع میں صرف پچیس چھبیس احمدی تھے۔ گویا ذرا سی توجہ سے وہ جماعت دُگنی ہو گئی۔

پس اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ دن خاص طور پر برکات کے حصول کے لئے بنائے ہیں اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جماعت پورے زور سے تبلیغ کرے کیونکہ یہی تبلیغ کا موقع ہے۔ اِس وقت ہماری جماعت جو فصل بوئے گی خدا اسے وقت کی فصل قرار دے گا۔ اور جس طرح کچھ عرصہ کے بعد لوگ فصل کاٹا کرتے ہیں اور ایک مَن کی بجائے بیس بیس تیس تیس مَن غلہ اپنے گھر میں لے آتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ان کی تبلیغی کوششوں میں برکت ڈالے گا اور انہیں پہلے سے بہت زیادہ کامیابی اور ترقی عطا فرمائے گا۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تبلیغ تو کرتے ہیں مگر لوگ سنتے نہیں حالانکہ اصل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح طور پر سناتے نہیں۔ سنانے کا بھی ایک طریق ہوتا ہے، جب تک اس سے کام نہ لیا جائے اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پھر اگر لوگ نہ بھی سنیں تب بھی سنانے والے کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ سناتا چلا جائے اور اس بات کی پروانہ کرے کہ لوگ اس کی بات کو سنتے ہیں یا نہیں۔ مکہ میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جیسا انسان متواتر تیرہ سال تک لوگوں کو اپنی باتیں سناتا چلا گیا مگر کیا مکہ والوں نے آپؐ کی باتیں مان لیں؟ پھر سوال یہ ہے کہ کیا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس وجہ سے کہ مکہ کے لوگ تو سنتے ہی نہیں، انہیں باتیں سنانی چھوڑ دی تھیں؟ آپؐ برابر اپنی باتیں سناتے چلے گئے اور ایک سال نہیں دو سال نہیں تیرہ سال مسلسل ان کو تبلیغ کرتے رہے اور اس بات کی آپؐ نے ذرا بھی پروانہ کی کہ مکہ کے لوگ آپ کی باتوں کو مانتے ہیں یا نہیں۔ مگر ہمارے آدمی دو دن جاتے ہیں، دلائل سے دوسرے کو خاموش کر دیتے ہیں اور جب دوسرا شخص نہیں مانتا تو اسے چھوڑ کر اپنے گھر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ شکوہ کرنے لگ جاتے ہیں کہ لوگ ہماری باتیں نہیں سنتے۔ تم محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھو۔ آپؐ کتنا عرصہ لوگوں کو سناتے چلے گئے۔ بے شک لوگوں نے آپؐ کو گالیاں بھی دیں، بُرا بھلا بھی کہا اور ہر طرح آپؐ کی آواز کو دبانے کی کوشش کی مگر پھر وہ وقت بھی آگیا جب وہی لوگ جو آپ کو گالیاں دیتے تھے آپ پر فریفتہ اور شَیدا ہو گئے اور آپ کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کرنا اپنی بہت بڑی سعادت سمجھنے لگے۔ پھر ایسے بھی لوگ تھے جو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی کے آخری ایام میں آپؐ پر ایمان لائے۔ چنانچہ عکرمہ جو اسلام کے دشمن اور شدید ترین

دشمنِ اسلام ابوجہل کے بیٹے تھے، عمرو بن العاص جو ایک دشمن کے بیٹے اور خود بھی اسلام کے دشمن تھے، اِسی طرح خالد بن ولید یہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جو اسلام کے آخری زمانہ میں ایمان لائے اور نہایت جان نثار خادم ثابت ہوئے۔ عکرمہ تو اسلام کا اتنا دشمن تھا کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس کی بعض خلافِ قانون حرکات کی وجہ سے جو اس سے جنگوں میں سرزد ہوئی تھیں یہ حکم دے دیا تھا کہ عکرمہ جہاں بھی ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ عکرمہ یہ سن کر مکہ چھوڑ کر بھاگ گیا مگر عکرمہ کی بیوی ایمان لا چکی تھی اور وہ اپنے دل میں اسلام کو سچا سمجھتی تھی۔ جب رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کا خاوند مکہ چھوڑ کر بھاگ گیا تو وہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مَیں آپ پر ایمان لاتی ہوں۔ پھر اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم بھی آپ کے رشتہ دار ہیں۔ بے شک ہم نے آپ کی مخالفتیں کیں مگر نادانی اور جہالت سے کیں اور یہ سمجھ کر کیں کہ ہم ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔ عکرمہ بھی آپ کا رشتہ دار ہے۔ کیا یہ اچھا ہو گا کہ آپ کے حُسنِ سلوک کی وجہ سے وہ آپ کے ماتحت اپنے وطن میں زندگی کے دن گزارے یا یہ اچھا ہو گا کہ وہ غیر ممالک میں دوسرے لوگوں کا دستِ نگر اور ممنون احسان رہے؟ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اچھا ہم نے تمہاری خاطر عکرمہ کو معاف کیا۔ [1] وہ یہ سن کر خوشی خوشی اپنے خاوند کے پیچھے گئی۔ اُس وقت مکہ کی جو بندرگاہ تھی جدہ سے زیادہ فاصلہ پر تھی۔ عکرمہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ جدہ تو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے اور اگر انسان گھوڑے پر سوار ہو تو چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتا ہے مگر اس بندرگاہ تک پہنچتے ہوئے تین دن لگ جاتے تھے۔ جب عکرمہ کی بیوی وہاں پہنچی، عکرمہ جہاز میں بیٹھ چکے تھے اور جہاز چلنے ہی والا تھا۔ وہ اپنے خاوند کے پاس گئی اور اس سے کہا۔ تم کہاں دنیا میں خوار ہوتے پھرو گے اور کیوں اس شخص کو چھوڑ کر جا رہے ہو جو اپنے دشمنوں سے احسان کرنا جانتا ہے۔ اس نے کہا مَیں اب یہاں کس طرح رہ سکتا ہوں جبکہ مَیں نے اسلام کی اتنی مخالفت کی ہے کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ اب میرے لئے اس ملک میں کہاں امن ہو سکتا ہے۔ اس کی بیوی نے کہا تم تو یہ خیال کرتے ہو اور مَیں محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس گئی تھی اور مَیں نے تمہارے متعلق عرض کیا تھا۔ انہوں نے تم کو معاف فرما دیا ہے۔ اب تم

واپس چلو اور باہر جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ عکرمہ یہ سن کر جہاز سے اُتر آئے اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی میرے پیچھے پیچھے گئی تھی اور اس نے مجھے کہا ہے کہ آپ نے مجھے معاف فرمایا دیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا وہ بالکل سچ کہتی ہے۔ ہم نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ جب عکرمہ نے یہ سنا تو اس کے لئے حیرت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ ابوجہل نے جو مظالم کئے تھے ان کو سب دنیا جانتی ہے اور عکرمہ اپنے باپ کے نقش قدم پر ہی چل رہا تھا اور اس نے بھی انتہاء درجہ کے مظالم مسلمانوں پر کئے تھے۔ جب اس نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ بات سنی تو اس نے کہا آپ نے مجھے کفر کی حالت میں اور ایسے وقت میں معاف کیا ہے جبکہ مَیں سمجھتا ہوں میرے لئے معافی کا کوئی استحقاق نہیں تھا۔ اس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ معافی سوائے خدا کے برگزیدہ انسان کے اَور کوئی نہیں دے سکتا۔ پس مَیں گواہی دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا اَور کوئی معبود نہیں اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا عکرمہ نہ صرف ہم نے تمہیں معاف کیا ہے بلکہ تمہارے دل میں جو بھی خواہش ہو مجھ سے مانگو۔ مَیں تمہاری وہ خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر اب عکرمہ وہ عکرمہ نہیں تھا جو دنیا کی خاطر لڑائیاں لڑا کرتا تھا۔ اب عکرمہ مومن عکرمہ تھا۔ جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ عکرمہ مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو تو عکرمہ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میری اس سے زیادہ خواہش اَور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ گستاخیاں جو مَیں نے آپ کی کی ہیں اور وہ مخالفتیں جو مَیں نے اسلام اور مسلمانوں کی کی ہیں اللہ تعالیٰ وہ مجھے معاف فرمائے۔ جب آپ مجھے وہ کچھ دینے کے لئے تیار ہیں جو میری خواہش ہو تو میری درخواست یہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرے گناہوں کو معاف کرے اور میرا خاتمہ بالخیر کرے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کے لئے دعا کی اور فرمایا اے خدا! عکرمہ کے سب گناہ معاف فرما دے۔[2] تو دیکھو یہ لوگ کتنے شدید دشمنِ اسلام تھے مگر پھر یہی لوگ اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے والے بن گئے۔

ایک اَور صحابی کا ذکر آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو وہ ظاہر میں ایمان لے آئے مگر دل سے مخالف تھے۔ وہ خود کہتے ہیں مَیں صرف اس لئے ایمان لایا تھا کہ موقع پا کر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو

قتل کروں۔ کیونکہ مَیں نے سمجھا اب بالمقابل لڑائی کرنے کا وقت نہیں رہا اب ہم جو کچھ کر سکتے ہیں اسی طرح کر سکتے ہیں کہ اندرونی طور پر فتنہ پیدا کریں اور بظاہر اسلام میں داخل ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع پا کر قتل کر دیں۔ جب حنین کی جنگ ہوئی تو اس میں مَیں بھی شامل ہوا اور اس امید سے شامل ہوا کہ جنگ میں سپاہی بعض دفعہ اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔ جب مجھے کوئی ایسا موقع ملا مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ عین جنگ کے وقت وہ موقع بھی آ گیا۔ اسلامی لشکر پر جب دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی تو بوجہ ساتھی کفار کے بھاگنے کے وہ بے تحاشا میدان سے بھاگ پڑا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف چند آدمی رہ گئے۔ لوگوں نے کھینچ کر آپ کو پیچھے ہٹانا چاہا مگر آپ نے پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا مَیں خدا کا رسول ہوں، خدا کا رسول پیچھے نہیں ہٹا کرتا۔3 جب دشمن کا ریلا آیا تو وہ چند آدمی بھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تھے پیچھے ہٹ گئے اور صرف ایک دو آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے۔ اس وقت وہ صحابی کہتے ہیں مَیں آگے بڑھا اور مَیں نے اپنے دل میں کہا آج مجھے بدلہ لینے کا کیسا اچھا اور کتنی جلدی موقع مل گیا ہے۔ مَیں نے تلوار کھینچی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مجھ پر پڑی تو آپ نے میرا نام لے کر فرمایا آگے آؤ۔ مَیں تو خود آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ جب مَیں آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر پھیرا اور فرمایا اے خدا! اس کی بے ایمانیاں اور بُغض اس کے دل سے نکال دے۔ یہ دعا کر کے آپ نے میرا نام لیا اور فرمایا آگے بڑھو اور دشمن کا مقابلہ کرو۔ وہ صحابی کہتے ہیں جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا تو مجھے یوں معلوم ہوا جیسے کفر میرے اندر سے بالکل نکل گیا ہے اور ایمان کا اتنا جوش میرے دل میں پیدا ہو گیا کہ اس وقت مجھے سب سے اچھی اور سب سے بہتر بات یہی معلوم ہوتی تھی کہ مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے لڑتا ہوا مارا جاؤں۔ چنانچہ مَیں آگے بڑھا اور دشمن سے لڑا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا اپنا باپ بھی میرے سامنے آ جاتا تو مَیں اس وقت تک بس نہ کرتا جب تک اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیتا۔4

تو دیکھو یہ لوگ کتنے بغیض تھے اور پھر کتنا عظیم الشان تغیر ان میں پیدا ہو گیا۔ مگر

آخر یہ تغیر ایک دن کی تبلیغ سے پیدا نہیں ہوا۔ سالہا سال ان کو تبلیغ ہوئی۔ مگر ان کے دلوں میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔ پھر یہ لوگ غیر نہیں تھے بلکہ رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کے رشتے دار تھے۔ ان میں سے کوئی کسی کا چچیرا بھائی تھا، کسی کا ممیرا بھائی تھا، کسی کا پھپھیرا بھائی تھا۔ کوئی برادر زادہ تھا اور کوئی اَور رشتہ دار۔ غرض مکہ کے سارے کے سارے لوگ خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا رؤساء میں سے۔ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے رشتہ دار تھے اور ان کے اندر رہتے ہوئے اور اپنی زندگی کا نیک پہلو دکھاتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے اپنی عمر بسر کی۔ مگر اس کے باوجود ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن کیا رسول کریم ﷺ نے کبھی کہا کہ یہ لوگ تو سنتے ہی نہیں؟ دو سال ہو گئے، چار سال ہو گئے، دس سال ہو گئے، بیس سال ہو گئے۔ اب کب تک ان لوگوں کو ہم اپنی باتیں سناتے چلے جائیں۔ مکہ فتح ہوا تو اس کے بعد بھی مخالف باقی رہے اور رسول کریم ﷺ ان کو برابر تبلیغ کرتے رہے۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو گو رسول کریم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں آپ پر ایمان لے آئے تھے مگر ان کا ایمان بہت بعد میں پختہ ہوا۔ کسی کا ابو بکرؓ کے زمانہ میں اور کسی کا عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانہ میں ایمان پختہ ہوا اور وہ صحیح معنوں میں مومن بنے۔ پس ایمان کا دلوں میں پیدا ہونا ایک وقت چاہتا ہے۔ کیا وہ شخص عقلمند کہلا سکتا ہے جو بیج بوتے ہی یہ کہنے لگ جائے کہ مَیں نے تو بیج ضائع کر دیا۔ اس کو تو ابھی تک پھل نہیں لگا۔ جب لوگ بیج بونے کے بعد ایک عرصہ تک انتظار کرتے ہیں تو ہماری جماعت کے لوگ یہ کس طرح کہہ دیا کرتے ہیں کہ لوگ تو سنتے ہی نہیں۔ بات یہ ہوتی ہے کہ چونکہ ان کا نفس تبلیغ کرنے سے گھبراتا ہے اور وہ آرام طلبی کی زندگی بسر کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اس لئے دو چار دن تبلیغ کرنے کے بعد تھک جاتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے نفس کو ملامت کریں وہ بہانہ یہ بناتے ہیں کہ لوگ سنتے نہیں حالانکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ لوگوں کو سنانے کی کوشش کی جائے اور وہ نہ سنیں۔ ان کو ہدایت کی راہ بتائی جائے اور وہ ہمیشہ انکار کرتے چلے جائیں۔ سوائے ازلی شقی اور بدبخت لوگوں کے کہ جو دنیا میں بہت شاذ کے طور پر ہوتے ہیں۔ اَور سب لوگ ہدایت کے خواہشمند ہوتے ہیں اور ان میں صداقت کی جستجو ہوتی ہے۔ ورنہ اگر دنیا کی اکثریت ایسی ہو جو ہدایت پانے کے لئے تیار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنا

نبی کیوں بھیجے۔ خدا تعالیٰ اپنا نبی اُسی وقت بھیجا کرتا ہے جب اُس کی طرف سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ لوگ ہدایت پائیں۔ پس مَیں تمہاری یہ بات کس طرح مان لوں کہ لوگ تمہاری باتوں کو نہیں سنتے۔ اصل بات یہ ہے کہ خود تم میں وہ روح نہیں جو دوسروں پر اثر ڈال سکے۔ تم میں وہ دیوانگی اور وہ جوش نہیں جس کے بعد انسان صبر سے بیٹھ ہی نہیں سکتا بلکہ وہ اٹھتے بیٹھتے تبلیغ کے لئے بیقرار رہتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت نے ایمان کے معاملہ پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اگر وہ غور کرتی تو یقیناً اس کا عمل موجودہ عمل سے بالکل مختلف ہوتا۔ وہی لوگ جو یہ عذر کرتے سنائی دیتے ہیں کہ ہم کیا تبلیغ کریں لوگ تو ہماری باتیں سنتے نہیں۔ اُنہی کو ہم دیکھتے ہیں کہ جب ان کالڑکا بیمار ہو تو دن اور رات اس کی تیمارداری میں لگے رہتے ہیں اور انہیں چین نہیں آتا جب تک وہ اچھا نہ ہو جائے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہوتی ہے؟ یہی کہ وہ بیماری کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے بچے کا درد اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ اگر ایمان کی اہمیت کو بھی وہ سمجھتے، اگر کفر کی ہلاکت اور اس کی بربادی بھی ان کے دل کو دردمند کرتی تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ خاموش بیٹھے رہتے اور ان میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی۔ پیغامیوں کو کیوں ٹھوکر لگی؟ اِسی لئے کہ انہوں نے اِس مسئلہ کی اہمیت کو نہ سمجھا۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار معمولی بات ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں تبلیغ کی توفیق بھی نہیں ملتی کیونکہ ان میں یہ احساس ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہمارا بھائی کتنا بیمار ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ہماری جماعت کو بھی اس کا پورا احساس نہیں۔

پس مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں وقت سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور پھر ایک دفعہ اپنا سارا زور تبلیغ کے لئے صَرف کر دینا چاہئے۔ اب آپ لوگوں نے کافی آرام کر لیا ہے اور اب وقت ہے کہ دوبارہ تبلیغ پر زور دیا جائے۔ مگر اس امر کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب تک صحیح طور پر تبلیغ نہ کی جائے اُس وقت تک دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے ضروری ہے کہ تم پہلے اپنے اندر درد پیدا کرو اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو کبھی کبھار دنیا کو نصیب ہوتی ہے۔ جب تک تم میں یہ احساس پیدا نہیں ہو گا اُس وقت تک

تمہیں یہ شوق بھی نہیں ہو گا کہ تم احمدیت کی تعلیم لوگوں میں پھیلاؤ۔ لیکن جس دن تم نے احمدیت کی قدروقیمت کو سمجھ لیا اس دن تم بے تاب ہو کر پھرو گے اور چاہو گے کہ اَور لوگ بھی دیکھیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے۔ دنیا میں لوگ معمولی معمولی چیزیں جب تک دوسروں کو نہ دکھالیں انہیں صبر نہیں آتا۔ اَور تو اَور لوگ حج کر کے آتے ہیں تو اپنے نام کے ساتھ حاجی لکھنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ حج کر چکے ہیں۔ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی کرنے کا عادی ہو اور لوگ اس کے متعلق کہیں کہ وہ بڑا ذکر کرنے والا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ان کے اندر یہ احساس ہے کہ اَور لوگ بھی اس نیکی کو دیکھیں اور اس کی نقل کریں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کے گھر پر جا کر چندہ مانگا جائے تو وہ پانچ دس روپے دے دیتے ہیں لیکن اگر مجلس میں ہنگامی طور پر چندہ طلب کیا جائے تو وہ ہزار ہزار روپیہ کا وعدہ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کو خیال آتا ہے کہ اور لوگ بھی سنیں کہ ہم نے کیا کام کیا ہے۔ اگر دنیوی دولت کی نمائش کے لئے لوگ اتنا شوق رکھتے ہیں۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان روحانی دولت ملی ہو اور وہ اس بات کے لئے بے تاب نہ ہو کہ مَیں لوگوں میں پھروں اور انہیں بتاؤں کہ میرے پاس کتنی قیمتی چیز ہے۔ اگر وہ اس نعمت کا اظہار نہیں کرتا، اگر وہ لوگوں کو نہیں بتاتا کہ میرے پاس کتنی بڑی دولت ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اس کو دولت ہی نہیں سمجھتا۔ پس پہلے اپنے اندر احساس پیدا کرو، اپنے اندر ایمان اور جوش پیدا کرو تاکہ تم دنیا کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ انعام دیا ہے جو دنیا میں شاذ و نادر ہی کسی کو ملا کرتا ہے۔ انبیاء کا زمانہ یا انبیاء کے قریب کا زمانہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ بتازہ نشانات ظاہر ہو رہے ہوں ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا۔ مگر خدا نے تم کو یہ زمانہ نصیب کیا ہے۔ اربوں ارب کی دنیا میں سے ہماری جماعت کے چند گنتی کے آدمی ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے یہ مہربانی اور نوازش کی اور جنہیں اس انعام اور فضل کے لئے اس نے مخصوص کر لیا۔ پس ہماری جماعت کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار کرے اور دنیا کے ہر فرد کو بتائے کہ اس پر خدا تعالیٰ نے کتنا بڑا انعام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔[5]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر جو انعامات نازل ہوں انہیں لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو۔ یہ حکم ہے جو ہر مومن کو دیا گیا ہے اور جس کے بعد ہر مومن کا فرض ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی نعمت ملے اس کا لوگوں میں ذکر کیا کرے۔ مگر کیا تم سمجھتے ہو اگر تمہیں کپڑا مل جائے تو تمہیں اس کا ذکر کرنا چاہیئے، تمہیں روٹی مل جائے تو تمہیں اس کا ذکر کرنا چاہیئے مگر تمہیں نبی مل جائے تو تمہیں اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے؟ روپیہ اور کپڑے اور کھانا تو ایک مادی چیز ہیں جن کا جسمانی حیات کے ساتھ تعلق ہے لیکن نبوت ایک روحانی نعمت ہے جو انسان کی دنیوی اور اُخروی دونوں زندگیوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اگر ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ کپڑے پر خدا کا شکر ادا کرے، اگر ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ روٹی ملنے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور لوگوں میں اس کا اظہار کرے تو نبی ملنے پر اُسے کس قدر بے تابی کے ساتھ اس نعمت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا اور اس کے بعد بعض اَور جنگیں ہوئیں تو ایک جنگ کے بعد غنیمت کے وہ اموال جو آپؐ کو حاصل ہوئے تھے اُن کا کثیر حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں میں تقسیم کر دیا یہاں تک کہ ایک ایک آدمی کو آپؐ نے دو دو تین تین سو اونٹ دے دیئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما چکے تو مدینہ کے بعض نوجوانوں کے دلوں پر یہ بات نہایت گراں گزری اور ان میں سے بعض نے کہا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور غنیمت کے اموال اور اونٹ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو دے دیئے ہیں۔6 یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ آپؐ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے انصار! مَیں نے سنا ہے تم میں سے بعض نوجوانوں نے یہ بات کہی ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ اور غنیمت کے اموال اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے ہیں۔ انصار نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ بات تو ٹھیک ہے مگر ہم میں سے بعض بیوقوف نوجوانوں نے کہی ہے۔ ہم اِس سے سخت بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک تم نے یہ بات نہیں کہی مگر یہ ایک بات ہے جو کسی کے منہ سے نکل گئی اور اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ پھر آپؐ نے

فرمایا اے انصار! تم کہہ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلا تھا، اس کی قوم نے اس سے دشمنی کی، اس کے رشتہ داروں نے اس کی مخالفت کی، اس کے اہل بلدہ اس کی جان لینے کے درپے ہو گئے۔ جب اس کی قوم نے اسے دھتکار دیا، جب اس کے خاندان نے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا، جب اس کے رشتہ داروں نے اس کی مدد کا بیڑہ اٹھانے سے انکار کر دیا اور ہر ایک نے لعن طعن اور گالی گلوچ اور مار پیٹ سے کام لینا شروع کر دیا تو ہم نے مدینہ کے دروازے کھول دیئے۔ ہم اسے اپنے پاس لے گئے اور اس کی خدمت کے لئے اپنی جانیں اور اپنے اموال وقف کر دیئے مگر اس کی قوم نے اس کا پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا اور مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ تب ہم نے اس کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کیں اور آخر وہ وقت آیا جب خدا نے اسے فتح دی اور اس کے دین کو تقویت بخشی۔ دشمن ہار گیا اور محمدؐ رسول اللہ فاتح اور کامیاب ہوا۔ مگر جب دشمن ہار گیا تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو تو خالی ہاتھ چھوڑ دیا اور اپنی قوم کو مالِ غنیمت دے دیا۔7 فرمایا تم ایسا کہہ سکتے ہو اور ایک نقطۂ نگاہ یہ بھی ہے۔ انصار جنہوں نے اپنی زندگیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں لگا دی تھیں یہ بات سن کر ان کی چیخیں نکل گئیں۔ تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ مجلس میں کہرام مچ گیا۔ وہ روتے تھے اور چیخیں مار مار کر روتے تھے اور کہتے تھے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہم ایسا ہرگز نہیں کہتے، ہم اس نقطۂ نگاہ کو نہیں مانتے۔ یہ ہم میں سے بعض بیوقوفوں نے بات کہی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اے انصار! مگر ایک اَور نقطۂ نگاہ بھی ہے۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں پیدا کیا، مکہ والے اس بات کے مستحق تھے کہ خدا نے انہیں جس نعمت سے نوازا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس برکت سے حصہ پائیں جو خدا نے اسلام کے ساتھ مخصوص کی ہے لیکن ان لوگوں نے وقت پر نہ پہچانا اور اسلام کی مخالفت اپنے انتہاء کو پہنچا دی۔ تب خدا اپنے رسول کو مدینہ میں لے گیا اور پھر خدا تعالیٰ نے ایسا فضل نازل فرمایا کہ دشمن زیر ہو گیا، اس کی طاقت ٹوٹ گئی، اس کی حشمت خاک میں مل گئی اور وہی مکہ جس سے اُسے نکالا گیا تھا اُس میں وہ فاتحانہ طور پر داخل ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے رعب اور اس کے جلال کو قائم کر دیا اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا تو مکہ والوں نے سمجھا کہ شاید ان کی کھوئی ہوئی عظمت ان کو پھر مل جائے گی، مگر

پھر خدا کا رسول ان کے وطن میں آجائے گا اور وہ ان برکات کو حاصل کر سکیں گے جن سے وہ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے ایک لمبے عرصہ تک محروم رہے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غلبہ عطا فرمایا تو مکہ والے جو امیدیں لگائے بیٹھے تھے ان میں سے انہیں صرف اتنا ہی حصہ ملا کہ وہ اونٹ ہانکتے ہوئے اپنے گھروں کو لے گئے اور انصار خدا کے رسول کو دوبارہ مدینہ میں لے گئے۔8 انہوں نے پھر کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ !جو ناپسندیدہ بات آپؐ تک پہنچی ہے وہ ہم نے نہیں کی۔ بعض بیوقوف نوجوانوں کے منہ سے یہ بات نکل گئی ہے۔ ہم آپؐ کے ہر فعل کو جائز اور درست سمجھتے ہیں۔ تو دیکھو رسول کریم ﷺ نے مقابلہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ خدا کے رسول کے مقابلہ میں اونٹوں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے۔

اِسی طرح وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا کیا صرف یہی مفہوم ہے کہ ہم اپنے کھانے اور پینے اور اپنے کپڑوں کی نمائش کریں؟ کیا کھانے اور پہننے کی چیزیں خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت رکھتی ہیں؟ اگر رکھتی ہیں تو انصار کے نوجوانوں کا اعتراض صحیح تھا کہ اونٹ تو مکہ والے لے گئے ہیں ہمیں کیا ملا؟ لیکن اگر یہ چیزیں خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں یہی بتایا گیا ہے کہ جب تمہیں دین ملے تو تم چُپ کر کے نہ بیٹھ رہو بلکہ بے اختیار ہر ایک کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ خدا نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے تم بھی اس نعمت سے حصہ لو اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے مورِد بنو۔ جب تک یہ جذبہ اور یہ ولولہ دل میں پیدا نہ ہو اس وقت تک ایمان کے درست ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان کی درستی کا سب سے بڑا ثبوت اور سب سے بڑا نشان یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں ایک آگ لگی ہوئی ہوتی ہے اور انسانی قلب میں یہ ولولہ موجزن ہوتا ہے کہ مَیں ایک ایک فرد تک خدا تعالیٰ کی آواز پہنچاؤں اور اسے بھی اس نعمت کا حصہ دار بناؤں۔ محض عقیدہ رکھنے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ انسان کے دل میں بھی سچی محبت ہے کیونکہ بعض دفعہ بڑے بڑے دعویٰ کرنے والے لوگ عین وقت پر پھسل جاتے ہیں اور اس وقت ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط تھا کہ انہیں سچی محبت اور سچا عشق ہے۔

فارسی کی ایک حکایت ہے کہ ایک عورت جس کا نام میستی تھا، اس کی بیٹی بیمار ہو گئی اور روز بروز اس کی بیماری بڑھتی چلی گئی۔ وہ روزانہ رات کو اٹھ کر اس کے لئے دعائیں کیا کرتی مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کی بیماری کسی طرح کم ہونے میں نہیں آرہی اور موت قریب آرہی ہے تو اس نے یہ دعائیں مانگنی شروع کر دیں کہ خدایا! تُو نے اگر مارنا ہی ہے تو مجھے مار دے، میری بیٹی کو کچھ نہ کہہ۔ وہ روزانہ ایسا ہی کرتی اور روزانہ یہ دعائیں کرتی کہ خدایا! مَلکُ الْموت آئے تو میری طرف آئے، میری بیٹی کی طرف نہ جائے۔ اتفاقاً ایک رات اس کی گائے کھلی رہ گئی اور اس نے صحن میں اِدھر اُدھر چکر کاٹنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ گھڑے میں بھوسہ پڑا تھا۔ اس نے بھوسہ کھانے کے لئے گھڑے میں منہ ڈال دیا مگر جب سر نکالنے لگی تو سر پھنس گیا اور نکل نہ سکا۔ گائے کے لئے چونکہ یہ بالکل الگ بات تھی وہ گھبرا گئی اور اسی گھبراہٹ میں اس نے سر اٹھایا تو گھڑا ابھی ساتھ ہی اٹھ آیا اور اس نے اِدھر اُدھر دوڑنا شروع کر دیا۔ شور کی آواز سن کر اس عورت کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جب دیکھا کہ رات کے وقت ایک چیز صحن میں پھر رہی ہے، اُس کا سر بہت بڑا ہے تو اس نے خیال کیا کہ وہ جو مَیں رات بھر دعائیں کیا کرتی تھی کہ خدایا! عزرائیل میری جان قبض کر لے وہ دعا قبول ہو گئی ہے اور یہ عزرائیل میری جان نکالنے کے لئے آرہا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے ہوش اُڑ گئے اور اس نے اپنی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ملک الموت من نہ میستی ام　　　　من یکے پیر زال محنتی ام

ملک الموت مَیں میستی نہیں۔ وہ میستی جو روزانہ دعائیں کیا کرتی تھی وہ اپنی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی کہ وہ لیٹی ہے۔ اگر جان نکالنی ہے تو اس کی نکال لے۔ اب دیکھو وہ راتوں کو دعائیں بھی کرتی تھی، گریہ زاری بھی کرتی تھی، یہ بھی کہتی تھی اے عزرائیل! میری جان نکال لے، میری بیٹی کی نہ نکالے۔ مگر اسے اپنے دل کا حال معلوم نہیں تھا کہ اس میں بیٹی کی کتنی محبت ہے۔ اسی طرح ہزاروں ہزار انسان ایسے ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان ہے مگر درحقیقت ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا۔ پھر ایمان کی شناخت کا کیا ذریعہ ہے؟ ایمان کی شناخت اُس کی علامات کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور ایمان کی شناخت کی

سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان دیوانہ وار دوسروں کو بھی ایمان کے حصہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ احمدیت سچی ہے اس لئے میرا ایمان بھی پختہ ہے اور وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان کا پھل کیا پیدا ہوا ہے۔ وہ نادان اور احمق انسان مسیتی کی طرح ایک خیالی جنت میں آباد ہوتا ہے۔ اس کا ایمان محض وہم اور اس کا ظاہر محض ملمع ہوتا ہے۔ اگر واقع میں اُس کے دل کے اندر ایمان ہوتا تو وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ کے ماتحت وہ پاگل ہو کر چاروں طرف دوڑتا پھرتا اور لوگوں کو بتاتا کہ اسے کتنی بڑی دولت ملی ہے۔ کتنی بڑی نعمت ہے جس سے لوگ محروم ہو رہے ہیں۔

پس ہماری جماعت کو تبلیغ پر بے انتہا زور دینا چاہیئے۔ جب تک ہماری جماعت کے افراد میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا تم یقین کر لو کہ اس وقت تک ان کا ایمان بھی پختہ نہیں ہو سکتا۔ تم میں سے جتنا کسی شخص کے دل میں یہ جذبہ موجود ہے کہ احمدیت جلد سے جلد پھیلے اور جس قدر زیادہ کوششیں وہ اس غرض کے لئے کرتا ہے اُتنا ہی اس کا ایمان پختہ ہے اور جتنی اس جذبہ میں کمی ہے اتنی ہی اس کے ایمان میں کمی ہے۔ مگر جذبہ سے میری مراد محض خیالات یا خواہشات نہیں بلکہ جذبہ سے میری مراد عملی کوشش ہے۔ اگر ہماری جماعت کے افراد رات اور دن دیوانوں کی طرح دین پھیلانے کے لئے مشغول رہتے ہیں، اگر وہ دفتر کا بھی کام کرتے ہیں تو دفتر سے فارغ ہوتے ہی کہتے ہیں ہم نے دنیا کا کام کر لیا آؤ اب ہم دین کا کام کریں اور وہ تبلیغ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اگر وہ دکان پر کام کرتے ہیں تو دکان سے واپس آتے ہی کہتے ہیں چھ سات گھنٹے ہم نے دنیا کا کام کر لیا آؤ اب خدا کا نام بلند کریں اور لوگوں کو تبلیغ کریں، اگر وہ دس گیارہ مہینے مسلسل دنیوی مشاغل میں مشغول رہتے ہیں تو کہتے ہیں گیارہ ماہ تو ہم نے دنیا کے لئے صَرف کر دئے آؤ اب ایک ماہ ہم دین کے لئے وقف کر دیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تب تو انہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان کا ایمان سلامت ہے۔ لیکن اگر اس قربانی کا ان میں احساس نہیں، اگر تبلیغ کا نام سن کر وہ ڈر جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم تبلیغ کے لئے گئے تو ہماری تجارتیں ٹوٹ جائیں گی، ہماری نوکریاں جاتی رہیں گی، ہماری آمدنیوں میں کمی واقع ہو جائے گی تو پھر انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے اندر

کوئی ایمان نہیں۔ پس یاد رکھو! جب تک تم دیوانہ وار تبلیغ میں مشغول نہیں ہو جاتے، جب تک تم رات اور دن اس کام میں مصروف نہیں رہتے اُس وقت تک تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ بات مَیں نے تمہیں بتائی اور بار بار بتائی ہے اور پھر بھی بتاتا چلا جاؤں گا اور اس وقت تک بس نہیں کروں گا جب تک تم میں یہ احساس کامل طور پر پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری کیا ذمہ داری ہے اور تمہیں کس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ یا یہی کام کرتے کرتے مر جاؤں گا۔ مَیں آج تمہیں پھر بتاتا ہوں کہ جب تک تم اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتے، جب تک تم دیوانہ وار تبلیغ میں مصروف نہیں ہو جاتے اُس وقت تک تمہارا تمام جوش ناقص ہے اور ناقص جوش کبھی کوئی نتیجہ پیدا نہیں کیا کرتا۔ پس ہر جماعت کے دوستوں کو چاہئے وہ اپنی تنظیم کریں۔ لوگوں سے وقفِ اوقات کا مطالبہ کریں اور پھر وقف کرنے والوں کو ایک نظام کے ماتحت پوری باقاعدگی کے ساتھ تبلیغ کے کام پر لگائیں۔ اور اس امر کی نگرانی رکھیں کہ وہ صحیح طور پر کام کرتے ہیں یا نہیں اور ان کے کام کے کیا نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔

مَیں نے گزشتہ دنوں تحریک کی تھی کہ قادیان کے دوست تبلیغ کے لئے ایک ایک ماہ وقف کریں۔ جب مَیں دہلی روانہ ہونے لگا تو اس وقت مجھے رپورٹ ملی تھی کہ ہم نے فلاں فلاں علاقہ کے لئے فلاں فلاں آدمی مقرر کر دئے ہیں مگر مَیں نے تو ان آدمیوں کو قادیان آکر بھی قادیان میں پھرتے دیکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کسی وجہ سے ان کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اُن کی جگہ اَور آدمی مقرر کر دئے گئے ہیں اور یا پھر کوئی کام نہیں ہو رہا۔ اگر ان کی جگہ اَور آدمی مقرر کئے گئے تھے تو میرے پاس رپورٹ آنی چاہئے تھی اور مجھے بتانا چاہئے تھا کہ پہلے ہم نے یہ انتظام کیا تھا اب ہم نے فلاں فلاں وجوہ سے اُس میں یہ تبدیلی کی ہے۔ مگر میرے پاس کوئی رپورٹ نہیں آئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کا کام لینے والے بھی اپنے دلوں میں پورا جوش نہیں رکھتے ورنہ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ ایسے اہم کام کی طرف توجہ نہ کرتے۔ ان کا اس کام کی طرف توجہ نہ کرنا، مجھے اپنے حالات نہ بتانا اور اپنے کام کی باقاعدہ رپورٹ نہ بھجوانا بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنے فرائض کو سمجھا ہی نہیں۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے جو ہماری جماعت کے بعض افراد میں پیدا ہو رہا ہے کہ جب ان میں سے کسی کو کسی کام پر مقرر کیا جاتا ہے

تو وہ سمجھتا ہے اب میرے لئے کسی مشورہ کی ضرورت نہیں۔ مَیں خود اس کام کا اہل ہوں اور جس طرح چاہوں اس کام کو چلا سکتا ہوں۔ حالانکہ وہ صرف ایک حد تک اہل ہوتا ہے کُلّی طور پر اہل نہیں ہوتا۔ اور کُلّی طور پر اہل نہیں ہو سکتا جب تک وہ مرکز سے اپنا تعلق نہیں رکھتا، مرکز سے مدد نہیں مانگتا اور مرکز کو اپنے حالات کی پوری باقاعدگی سے اطلاع نہیں دیتا۔ صوبیدار کئی سپاہیوں پر افسر ہوتا ہے مگر کیا کبھی اکیلا صوبیدار لڑائی لڑ سکتا ہے؟ پھر لفٹنٹ کئی صوبیداروں پر افسر ہوتا ہے مگر کیا اکیلا لفٹنٹ لڑائی کر سکتا ہے؟ پھر کپتان کئی لفٹنٹوں پر افسر ہوتا ہے مگر کیا اکیلا کپتان بھی لڑائی کر سکتا ہے؟ پھر کپتان سے اوپر میجر اور کرنل ہوتے ہیں مگر کیا میجر اور کرنل بھی اکیلے لڑ سکتے ہیں؟ وہ اُس وقت تک دشمن سے لڑ نہیں سکتے جب تک مرکز کو اپنے حالات کی اطلاع نہ دیں اور مرکز ان کی رہنمائی نہ کرے۔ اس کے بعد کمانڈر انچیف ہوتا ہے مگر کیا کمانڈر انچیف بھی مرکز کی راہنمائی سے مستغنی ہوتا ہے؟ وہ بھی لڑائی نہیں کر سکتا جب تک وزیر جنگ سے مشورہ نہ لے اور اس کی ہدایات پر عمل نہ کرے۔ غرض ہر جگہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ مرکز کو باخبر رکھا جائے۔ مرکز میں باقاعدہ رپورٹیں ارسال کی جائیں، مرکز سے ہدایات حاصل کی جائیں اور مرکز کے مشوروں کے مطابق کام کیا جائے۔ مگر ہماری جماعت کے بعض افراد میں یہ نہایت خطرناک نقص پیدا ہو چکا ہے کہ جب کوئی کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں۔ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں حالانکہ ان کی عقل ناقص ہوتی ہے، ان کا تجربہ ناقص ہوتا ہے، ان کا علم ناقص ہوتا ہے، ان کا عمل ناقص ہوتا ہے اور وہ مرکز کے مشورے اور اس کی مدد کے بغیر ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے درخت سے کٹی ہوئی شاخ۔ مگر وہ اس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے اور اپنے زعم میں یہ کہتے ہیں کہ ہم سے بڑھ کر اس کام کا کون اہل ہے۔ اب ہمیں مرکز کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ یہ مرض اِس قدر بڑھا ہوا ہے کہ بعض مبلغ بھیجے جاتے ہیں تو وہ دو دو تین تین ماہ بلکہ سال سال بھر خاموش رہتے ہیں اور اپنے اپنے ناقص دماغ کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ سب کچھ کر سکتے تو خدا نے ان کو کیوں خلیفہ نہ بنایا۔ پھر تو چاہئے تھا وہ خلیفہ بنتے، مَیں خلیفہ نہ بنتا۔ پس ان کا اپنے کام کی رپورٹ نہ بھجوانا اس بات کی علامت نہیں ہوتی کہ ان

میں عقل ہے بلکہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کی عقل کا خانہ بالکل خالی ہے اور وہ اتنی معمولی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ خدا نے ہم کو ایک چھوٹی سی اینٹ بنایا ہے، مکان نہیں بنایا۔ مگر کیسے تعجب کی بات ہے ایک اینٹ تو سمجھتی ہے کہ وہ اینٹ ہے، ایک پتہ تو سمجھتا ہے کہ وہ پتہ ہے، ایک پھل تو سمجھتا ہے کہ وہ پھل ہے، ایک بیج تو سمجھتا ہے کہ وہ بیج ہے مگر ہمارا مبلغ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ مَیں ایک بیج ہوں لاکھوں بیجوں میں سے، مَیں ایک دانہ ہوں کروڑوں دانوں میں سے، مَیں ایک پتہ ہوں کروڑوں پتوں میں سے، مَیں ایک پھل ہوں کروڑوں پھلوں میں سے۔ ایک پھل درخت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ نہ ایک دانہ کھیتی کا قائمقام ہو سکتا ہے۔ مگر جہالت اور نادانی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت جو ایک جاہل اور اَن پڑھ صوبیدار جانتا ہے ہمارا مبلغ اس کو نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے مقام کو شناخت نہیں کرتا اور مرکز سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ یہ ایک مرض ہے جو ہمارے نوجوانوں میں پیدا ہو رہا ہے کہ جب اُنہیں کسی کام پر مقرر کیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو بھی برباد کرتے ہیں اور سلسلہ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور پھر اپنے حالات سے مرکز کو باخبر نہ رکھنے کی وجہ سے مرکز سے بالکل کٹ جاتے ہیں اور ایسے بھی ہو جاتے ہیں جیسے غیر احمدی۔ کیونکہ وہ شاخ جس کا اپنے درخت سے تعلق ہے وہی سرسبز رہ سکتی ہے خواہ وہ کس قدر کمزور اور ناطاقت کیوں نہ ہو۔ لیکن ایک شاخ خواہ کس قدر سرسبز اور مضبوط ہو، تم اسے درخت سے کاٹ کر پھینک دو وہ دو چار دن میں سوکھ کر کانٹا ہو جائے گی اور اس کی تمام سرسبزی اور تمام شادابی اور تمام لطافت جاتی رہے گی۔ پس مَیں سمجھتا ہوں کام لینے والوں میں بھی ابھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ وہ بیداری سے کام لیویں اور پھر کام کرنے والوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا پوری طرح احساس نہیں۔ دونوں طرف غفلت طاری ہے اور اس غفلت کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکل سکتے۔

اِس موقع پر مَیں بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی تنظیم کریں۔ اور تنظیم کے معنے یہ ہیں کہ وہ باقاعدہ اور بار بار مرکز میں اپنی رپورٹیں بھیجیں اور ہم سے اپنی مشکلات میں مشورہ حاصل کریں۔ جب تک وہ بار بار مرکز کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور

جب تک بار بار ہم سے مشورہ نہیں لیں گے اُس وقت تک اُن کے کام میں کبھی برکت پیدا نہیں ہو سکتی۔ آخر خدا نے ان کے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ نہیں دی میرے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ دی ہے۔ انہیں خدا نے خلیفہ نہیں بنایا مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور جب خدا نے اپنی مرضی بتانی ہوتی ہے تو مجھے بتاتا ہے اُنہیں نہیں بتاتا۔ پس تم مرکز سے الگ ہو کر کیا کر سکتے ہو۔ جس کو خدا اپنی مرضی بتاتا ہے، جس پر خدا اپنے الہام نازل فرماتا ہے، جس کو خدا نے اس جماعت کا خلیفہ اور امام بنا دیا ہے اس سے مشورہ اور ہدایت حاصل کر کے تم کام کر سکتے ہو۔ اس سے جتنا زیادہ تعلق رکھو گے اسی قدر تمہارے کاموں میں برکت پیدا ہو گی اور اس سے جس قدر دور رہو گے، اسی قدر تمہارے کاموں میں بے برکتی پیدا ہو گی۔ جس طرح وہی شاخ پھل لا سکتی ہے جو درخت کے ساتھ ہو۔ وہ کٹی ہوئی شاخ پھل پیدا نہیں کر سکتی جو درخت سے جدا ہو۔ **اِسی طرح وہی شخص سلسلہ کا مفید کام کر سکتا ہے جو اپنے آپ کو امام سے وابستہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے تو خواہ وہ دنیا بھر کے علوم جانتا ہو، وہ اتنا بھی کام نہیں کر سکے گا جتنا بکری کا بکروٹہ کام کر سکتا ہے۔** پس مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اسے اپنی تنظیم کرنی چاہیئے اور مرکز سے تعلق رکھ کر باقاعدہ اپنی رپورٹیں بھجوانی چاہئیں اور بار بار مشورہ حاصل کرنا چاہیئے۔ جب تک ہر احمدی کو ہم تبلیغ کے کام پر نہیں لگا دیتے، جب تک ہر احمدی کچھ نہ کچھ وقت تبلیغ کے لئے نہیں دیتا، جب تک تم میں سے ہر شخص تبلیغ کے لئے بے قرار ہو کر نہیں پھرتا اُس وقت تک ہم میں مداہنت اور منافقت باقی رہے گی اور اس وقت تک بے ایمان اور کمزور لوگ ہم میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور جب تک کسی جماعت میں بے ایمان لوگوں کا پیدا ہونا بند نہ ہو اُس وقت تک وہ جماعت خطرے سے باہر نہیں ہو سکتی۔ آخر ایک مبلغ یہ کس طرح خیال کر لیتا ہے کہ جو کام خلیفۂ وقت کر سکتا ہے وہی کام وہ بھی سر انجام دے سکتا ہے۔ بسا اوقات لوگوں سے کام لینے کے لئے روحانی دباؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بسا اوقات جسمانی اور نظامی دباؤ کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ طاقت ایک مبلغ کو کہاں حاصل ہے۔ وہ تو جماعت کے لاکھوں افراد میں سے ایک فرد ہوتا ہے اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر وہ بنی بنائی چیز لے کر بیٹھ جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اب مجھے کسی اَور کی مدد کی ضرورت نہیں۔

وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اسے ضرورت ہو گی لوگوں کے تعاون کی، اسے ضرورت ہو گی مشکلات میں صحیح مشورہ حاصل کرنے کی، اُسے ضرورت ہو گی اپنے کام کو وسیع کرنے کی، اسے ضرورت ہو گی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی۔ اور یہ چیزیں اسے حاصل نہیں ہو سکتیں جب تک وہ بار بار اور بار بار مرکز کو اپنے حالات نہیں بتاتا اور بار بار اس کی راہنمائی حاصل نہیں کرتا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا لیمپ روشن ہے مجھے کسی سے تیل لینے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ تمہارا بلب خواہ کس قدر روشن ہو۔ اگر اس کا سوئچ دبا دیا جائے یعنی اس کا مرکز سے تعلق کٹ جائے تو اس کی تمام روشنی ایک آن میں جاتی رہے گی اور اُس وقت تک روشنی اس میں واپس نہیں آئے گی جب تک اُس کا مرکز سے تعلق قائم نہیں ہو جاتا۔ پس تمہارا یہ کام نہیں کہ تم اس امر کی طرف نگاہ رکھو کہ تمہارا بلب کتنا روشن ہے بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم ہر وقت دیکھتے رہو کہ تمہارا بجلی کے مرکز سے کتنا تعلق ہے۔ اگر تمہارا مرکز سے تعلق قائم نہ رہا تو بلب چاہے کتنی پاور کا ہو وہ کبھی روشن نہیں ہو سکے گا۔ اسی طرح اگر اپنی لالٹین میں تیل ڈلوا کر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اب یہ تیل ہمیشہ کے لئے کام آئے گا تو یہ اس کی نادانی اور حماقت ہو گی۔ اگر آج اسے تیل کی ضرورت نہیں تو کل اسے ضرورت محسوس ہو گی اور وہ اس بات کا محتاج ہو گا کہ تیل والے کے پاس جائے اور اس سے تیل کے لئے التجا کرے۔ اگر وہ تیل والے کے پاس نہیں جائے گا تو لالٹین کے ہوتے ہوئے وہ اندھیرے میں رہے گا۔ یہی اصول روحانی دنیا میں جاری ہے مگر ہمارے مبلغ اور سیکرٹری یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنی لالٹینوں میں ایک دفعہ تیل ڈلوا لیا ہے تو وہ تیل ان کے لئے ہمیشہ کام آئے گا حالانکہ جب تک وہ بار بار تیل نہیں ڈلوائیں گے ان کے لیمپ روشن نہیں رہ سکیں گے۔ اول تو روحانی لیمپ تیل کی موجودگی میں بھی بجھ جاتے ہیں۔ اگر مرکزِ روحانی سے انسان کا تعلق نہ ہو۔ لیکن بفرضِ محال اگر لیمپ جَلا بھی تو کتنی دیر جلے گا۔ اس کا جلنا بہر حال عارضی ہو گا اور دو چار گھنٹوں یا دس بارہ گھنٹوں کے بعد جب تیل ختم ہو جائے گا اُس کے لئے سوائے اندھیرے اور تاریکی کے اَور کچھ نہیں ہو گا۔ پس جماعتوں کے اندر یہ احساس ہونا چاہئے کہ انہیں خدا نے کس غرض کے لئے قائم کیا ہے اور سیکرٹریوں کو بار بار قادیان آنا چاہئے اور بار بار ناظر دعوۃ یا وکیل التبشیر یا مجھ سے مشورہ حاصل کرنا چاہئے۔ اور ایک ایک

مشکل ہمارے سامنے پیش کر کے اس کا حل تجویز کرانا چاہئے۔

جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے مَیں دیکھتا ہوں ہماری جماعت نے وہ طریقۂ تبلیغ چھوڑ دیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قائم فرمایا تھا۔ آپ ہی آپ ایک نئی شاہراہ اختیار کر لی ہے اور یہ سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ فلاں طریقِ تبلیغ زیادہ مفید ہے۔ حالانکہ بسا اوقات معترض بات کچھ اَور کرتا ہے اور اس کے پیچھے کوئی اَور بات ہوتی ہے۔ یہ ظاہری بات کا جواب دے دیتا ہے اور جو پیچھے اصل محرک کام کر رہا ہوتا ہے اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ پھنس جاتا ہے اور دشمن کو ہنسی کا موقع مل جاتا ہے۔ اگر وہی طریق اختیار کیا جائے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اختیار کیا تھا تو یہ مشکلات پیش نہ آئیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زمانہ کے حالات کے مطابق بعض دفعہ تبلیغ کے طریقوں میں بھی تبدیلی کرنی پڑتی ہے مگر میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو طریق اختیار کیا تھا وہ اب بھی ضروری ہے اور اسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ وفاتِ مسیحؑ وغیرہ مسائل کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ دشمن ہمیں گھسیٹ کر اپنے میدان میں لے گیا ہے اور یہ ہمارے لئے نہایت خطرناک بات ہے۔ کامیاب جرنیل ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو دشمن کو اپنے میدان میں لاتا ہے۔ چنانچہ جنگوں میں عام طریق یہی ہوتا ہے کہ زمین میں سرنگیں بچھا دی جاتی ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ دشمن اس طرف آ جائے۔ جب دشمن وہاں پہنچتا ہے تو سرنگیں اُڑا دی جاتی ہیں اور دشمن تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہوشیار دشمن بجائے دوسرے کی بچھائی ہوئی سرنگوں میں جانے کے کوشش کرتا ہے کہ اس کو اپنے میدان میں لے آئے اور اسے تباہ کر دے۔ اس قسم کی غلطیاں جو تبلیغ میں ہو رہی ہیں اِسی لئے ہو رہی ہیں کہ جماعتیں ہم سے بار بار مشورہ نہیں لیتیں، ہمارے سامنے اپنے حالات نہیں رکھتیں اور ہماری ہدایت اور راہ نمائی کے ماتحت کام نہیں کرتیں۔ اگر باقاعدہ بحث مباحثہ اور تحقیق و تدقیق سے کام لیا جائے تو خود بخود صحیح راستے نکلتے چلے آئیں اور مشکلات کا پیدا ہونا بہت ہی کم ہو جائے۔ پھر سب جگہوں کے حالات ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور نہ ہر علاقہ میں ایک جیسا طریق مفید ہو سکتا ہے۔ کسی علاقہ میں کوئی ذریعہ اختیار کرنا پڑتا ہے اور کسی علاقہ میں کوئی۔ پھر مبلغ کے لئے

یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اَور رنگ میں تبلیغ کرے، ہندوؤں کو اَور رنگ میں تبلیغ کرے، عیسائیوں کو اَور رنگ میں تبلیغ کرے۔ اور بعض جگہ ایسے مشترک طریق سوچے جن سے بیک وقت ہندوؤں میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہو، مسلمانوں میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہو، عیسائیوں میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہو۔ مگر یہ ساری چیزیں ایک ماہرِ فن سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اپنے طور پر کوئی شخص یہ باتیں نہیں نکال سکتا کیونکہ ہر انسان ماہر فن نہیں ہوتا۔ یوں ڈاکٹر دنیا میں ہزاروں موجود ہیں مگر کیا ہر ڈاکٹر ماہرِ فن ہوتا ہے؟ ایسے بھی ڈاکٹر ہیں جو صرف معمولی مرضوں کا علاج کرنا جانتے ہیں۔ جب مرض بڑھ جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ ضلع میں جاؤ۔ وہاں کے ڈاکٹر ناکام ہوتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ لاہور جاؤ۔ لاہور میں علاج نہیں ہو سکتا تو کہہ دیتے ہیں کہ بمبئی یا کلکتہ جاؤ۔ بمبئی اور کلکتہ میں بھی علاج نہیں ہو سکتا تو کہتے ہیں کہ ولایت جاؤ یا امریکہ جاؤ۔ ممکن ہے وہاں کے ڈاکٹر اس مرض کا علاج کر سکیں۔ اگر کتاب پڑھ کے ہی ہر شخص علاج کر سکتا تو پھر کسی مریض کو ضلع کے صدر مقام میں اور پھر لاہور اور بمبئی اور کلکتہ اور یورپ اور امریکہ میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ضرورت اِسی لئے پیش آتی ہے کہ ڈاکٹر تو بہت ہوتے ہیں مگر ماہرِ فن ڈاکٹر بہت کم ہوتے ہیں۔ اسی طرح محض عالم ہو جانے یا محض مبلغ ہو جانے کے یہ معنے نہیں کہ وہ اپنے فن کی تمام باریکیوں کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جیسے ڈاکٹر ہونے کے یہ معنے نہیں کہ وہ ڈاکٹری کی تمام باریکیوں کو سمجھنے لگ گیا ہے۔ دنیا میں ایسے ڈاکٹر بھی ہیں جو نزلہ اور زکام کا بھی علاج کرنا نہیں جانتے اور ایسے ڈاکٹر بھی ہیں جو معدہ اور جگر اور دل چِیر پھاڑ کر پھر ان کو اصل مقام پر رکھ دیتے ہیں اور انسان تندرست ہو کر چلنے پھرنے لگ جاتا ہے۔ پس محض عالم یا محض مبلغ ہونے اور ایک ماہرِ فن ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ پس مبلغوں کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہئے۔ بے شک وہ عالم ہیں مگر مَیں ان سے کہتا ہوں "ایاز قدرِ خود بشناس"۔ تمہارے مبلغ بن جانے کے یہ معنے نہیں کہ تم فن کی تمام باریکیوں سے واقف ہو گئے ہو اور اب تم دوسرے کے مشورہ کے محتاج نہیں رہے۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ عام طور پر ہماری جماعت کے افراد میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ جب ان میں سے کسی کو مبلغ یا کسی محکمہ کا انچارج بنا دیا جاتا ہے تو بجائے اپنی کمزوری محسوس کر کے

انابت اور استغفار کرنے کے وہ مغرور ہو جاتا ہے اور اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ مرکز کو رپورٹ بھجوائے اور مرکز سے ہدایات حاصل کرے۔ حالانکہ اس کو ایک جگہ کا مبلغ یا انچارج بنانے کے صرف اِتنے معنے ہوتے ہیں کہ وہ اس جگہ کے حالات کے متعلق مرکز سے مدد حاصل کرے اور جو بھی کام کرے مرکز کے مشورہ اور اس کی ہدایات کے ماتحت کرے۔ مگر بجائے اِس کے کہ وہ مرکز سے مشورہ حاصل کر کے اپنے کاموں میں برکت پیدا کریں وہ من مانی کارروائیاں کر کے سلسلہ کو نقصان پہنچاتے اور اپنے ایمان کو بھی برباد کرتے ہیں۔ اِسی طرح مَیں بیرونی جماعتوں کے سیکرٹریانِ تبلیغ کو بھی انتباہ کرتا ہوں کہ ان کا صرف یہ کام نہیں کہ تبلیغ کریں یا دوسروں سے تبلیغ کا کام لیں بلکہ اُن کا یہ بھی کام ہے کہ وہ بار بار اپنی مشکلات پیش کر کے ہم سے مشورہ حاصل کریں۔ اس غرض کے لئے انہیں بار بار قادیان آنا چاہئے اور بار بار مجھ سے ملنا چاہئے۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے بجائے اس کے کہ وہ اپنی ذمہ داری سمجھیں وہ سال سال دو دو سال خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور پوچھا جائے تو شکوہ کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں، ہمارے علاقہ میں تو مبلغ آتے ہی نہیں۔ حالانکہ اگر ان کے سینہ میں اسلام کا درد ہوتا۔ اگر ان کے دل میں اسلام کا دکھ ہوتا، اگر ان کے اندر یہ جنون کام کر رہا ہوتا کہ ہم نے دنیا کو ہدایت کی طرف لانا ہے تو وہ گھروں میں کیوں بیٹھے رہتے۔ وہ قادیان آتے، ہم سے ملتے، اپنی مشکلات پیش کرتے، ہماری ہدایات سنتے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر پوچھنے پر ہمیشہ وہ عذر کر دیا کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہماری طرف تو کسی نے توجہ ہی نہیں کی۔ اگر تمہاری طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی تو کیا تمہارا یہ کام نہیں تھا کہ تم خود دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرو؟ کیا جب کسی شخص کو درد گردہ ہو رہا ہو تو اُسے یاد دلانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تمہیں گردہ کا درد ہے۔ کیا کسی کی آنکھ میں درد ہو تو اسے یاد دلانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تمہاری آنکھ بیمار ہے؟ کیا کسی کے پیٹ میں درد ہو تو اسے یاد دلانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ وہ خود بخود درد سے بیقرار پھر رہا ہوتا ہے اور یہ ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ اسے کوئی یاد دلائے۔ اور اگر وہ ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اسے درد نہیں اور اس کا یہ خیال کہ اسے درد ہے ایک بے معنی بات ہے۔ اِسی طرح اگر

تمہارے دلوں میں بھی اسلام کا درد ہوتا تو کیا تمہاری یہی حالت ہوتی؟ یہ تو درد کے نہ ہونے کی علامت ہے کہ تم دو دو سال تک خاموش بیٹھے رہتے ہو اور تمہارے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ تمہارے اندر اسلام کا درد نہیں۔ تمہارے اندر اسلام کا دکھ کوئی دکھ پیدا نہیں کرتا۔ افیونی کی طرح دو تین سال کے بعد تم آنکھ اُٹھا کر کہہ دیتے ہو کہ ہمارے علاقہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ تمہارے علاقہ کی طرف کون توجہ کرے جبکہ خود تمہیں اپنے علاقہ کی اصلاح کا احساس نہیں۔ اگر تمہیں اپنی اصلاح کا آپ خیال ہوتا تو کیا تم اسی طرح بیٹھے رہتے؟ تم رو رو کر مر نہ جاتے کہ ہمارا برا حال ہو رہا ہے اور ہمیں کوئی پوچھ نہیں رہا۔ کیا ایسی حالت میں تم قادیان آ کر بیٹھ نہ جاتے اور تم یہ نہ کہتے کہ ہم یہاں سے ہلیں گے نہیں جب تک ہماری طرف توجہ نہ کی جائے۔

تمہاری حالت تو بالکل ایسی ہی ہے جیسے قصہ مشہور ہے کہ ایک سپاہی چھٹی سے واپس جارہا تھا کہ راہ چلتے اُس کے کانوں میں آواز آئی۔ میاں سپاہی! میاں سپاہی! خدا کے لئے بات سننا بڑا ضروری کام ہے۔ وہ سو دو سو گز پرے جارہا تھا۔ اُس نے جب یہ آواز سُنی تو وہ رستہ چھوڑ کر گیا کہ دیکھے کیا بات ہے۔ جب وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دو آدمی لیٹے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے سپاہی کو مخاطب کر کے کہا۔ میاں سپاہی! مَیں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میری چھاتی پر جو بیر پڑا ہے اسے اٹھا کر میرے منہ میں ڈال دو۔ سپاہی کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ سپاہیوں کے اخلاق یوں بھی حکومت کی وجہ سے گر جاتے ہیں۔ وہ گالیاں دے کر کہنے لگا بیوقوف! مَیں نہایت ضروری کام کے لئے جارہا تھا۔ کیا تجھ سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہاتھ سے بیر اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا؟ جب اس نے یہ بات کہی تو اس کا دوسرا ساتھی جو لیٹا ہوا تھا اس نے کہا میاں سپاہی! جانے بھی دو یہ بھی کوئی انسان ہے، ساری رات کُتّا میرا منہ چاٹتا رہا مگر اس کمبخت سے اِتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُسے ہشت ہی کر دے۔ یہی اِن لوگوں کا حال ہے۔ کہتے ہیں دو سال سے ہماری طرف کوئی آدمی نہیں آیا۔ اگر دو سال سے تمہاری طرف کوئی آدمی نہیں گیا تھا تو تم خود قادیان کیوں نہ آ گئے۔ تمہارا چُپ کر جانا اور تمہارا اس کے بعد کوئی حرکت نہ کرنا بتاتا ہے کہ تم مُردہ ہو اور جو خود مُردہ ہو وہ دوسروں پر کیا الزام عائد کر سکتا ہے۔

پس ہماری جماعت کو چاہئے کہ اپنے اندر بیداری پیدا کرے ورنہ مُردے دنیا میں کام نہیں کیا کرتے۔ اگر وہ مُردہ بن گئے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن سے اپنی مدد چھین لے گا اور کہے گا کہ اگر تم مرتے ہو تو مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تبھی زندہ کرے گا جب تم خود زندہ ہونے کے لئے بیتاب ہوگے۔" (الفضل 20 نومبر 1946ء)

1، 2: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 106 مطبوعہ مصر 1935ء

3: مسلم كتاب الجهاد باب غزوة حنين

4: السيرة الحلبية جلد 3 صفحہ 127، 128 مطبوعہ مصر 1935ء

5: الضُّحٰى: 12

6 تا 8: بخاری كتاب المَغَازِی باب غَزْوَة الطَّائِف (الخ)